# سُورَةُ الْفَجْرِ

## عربی متن — بامحاورۃ اُردو ترجمہ و تفسیر

اِفادات

الحافِظ علامہ نُورالدین

مدیر

عَبدالمنان عُمر — امتہ الرحمٰن عُمر

# سُورَۃُ الْفَجْرِ - ﴿۸۹﴾ - مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کا نام لے کر جو بے حد رحمت والا، بار بار رحم کرنے والا ہے

(میں سُوْرَۃُ الْفَجْرِ پڑھنا شروع کرتا ہوں)

**خلاصہ مضمون:** پچھلی سورۃ میں بعض دنیوی اور اخروی آلام و مصائب کا ذکر تھا، اس سورۃ میں مشکلات و مصائب سے بچنے کا گر بتایا ہے اور دعا اور عبادت کی طرف توجہ دلائی ہے اور بتایا ہے کہ اسی ذریعہ سے انسان کو نفس مطمئنہ حاصل ہوتا ہے۔ ورنہ دولت و ثروت اس بلند ترین مقام کے حصول کا ذریعہ نہیں اور یہ مقام اس دنیا میں بھی حاصل ہوتا ہے۔ پھر بتایا کہ عرب کے باہر مکذبین نے سزا پائی، عرب کے کناروں پر انہوں نے سزا پائی تم عین عرب میں شرارت کرتے ہو تو ضرور سزا پاؤ گے۔

وَالْفَجْرِ ﴿۱﴾

۱۔ فجر گواہ ہے،

**۸۹:۱۔ وَالْفَجْرِ:** صبح کا وقت، دس راتیں، جفت اور طاق اور رات جبکہ وہ رواں ہو پڑے اور جانے والی ہو۔ ان پانچ اوقات متبرکہ و مخصوصہ کو بطور دلیل پیش کیا ہے کہ آخر اسلام فتح پائے گا۔ ان پانچ اوقات کی تعیین میں بہت سے اقوال ہیں۔ ان سب اقوال میں زیادہ تر اقرب بفہم جو بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ چونکہ ان آیات کے بعد ساتھ ہی انبیاء کے

مقابلے کی وجہ سے عاد، ارم، ثمود و غیرہ بڑی بڑی قوموں کی ہلاکتوں کا ذکر ہے تو یہ بات ظاہر ہے کہ ان کی ہلاکتیں انبیاء کی طاقت اور جتھے کی وجہ سے نہ تھیں بلکہ دشمنوں کے مقابلے میں انبیاء کے ہاتھ میں سب سے بڑا ہتھیار دعا ہی کا تھا اور دعاؤں کی قبولیت کے لیے بعض اوقات مخصوصہ و مقامات متبرکہ خاص مناسبت رکھتے ہیں۔ اس جگہ ان میں ایک شق جو اوقات مخصوصہ متبرکہ کی ہے ذکر کی جاتی ہے۔ یاد رہے کہ عبادت الٰہی پر روحانی ترقی کا مدار ہے۔

وَلَيَالٍ عَشْرٍ ﴿۲﴾

۲۔اور دس راتیں،

**۸۹:۲۔وَلَيَالٍ عَشْرٍ:** دس راتوں کے متعلق ابن عباسؓ کی دو روایتیں ہیں۔ اول یہ کہ یہ ذوالحج کی پہلی دس راتیں ہیں اور دوم یہ کہ یہ رمضان کی آخری دس راتیں ہین۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب رمضان کے آخری عشرہ میں داخل ہوتے تھے تو بہت شب بیداری کرتے تھے۔ اور انہیدس راتوں میں لیلۃ القدر بھی ہے۔ سب سے زیادہ متبرک ایام وَلَيَالٍ عَشْرٍ اواخر رمضان المبارک ہیں۔ اس کی بیسیوں کی صبح کو اعتکاف میں داخل ہوتے ہیں اور یہی مسنون ہے۔ اگر چاند تیسویں کا ہو تو دس راتوں میں اعتکاف مکمل ہو جاتا ہے اور اگر چاند انتیسویں کا ہو تو دنوں کی تعداد جفت اور راتیں وتر ہو جاتی ہیں۔ بعد ختم عشرہ آخر رمضان المبارک شوال کی پہلی رات لیلۃ الجائزہ کہلاتی ہے کہ اس رات میں تمام ماہ رمضان کا اجر و ثواب بندوں کو عطا کیا جاتا ہے۔ پہلی شب شوال کی بہ اعتبار اس کے کہ سارے رمضان کا ثواب اس میں مرحمت کیا جاتا ہے۔ حدیث میں نہایت بابرکت رات بیان ہوئی ہے جو وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ کی مصداق ہے۔

وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ﴿٣﴾

۳۔اور جفت اور طاق،

**۸۹:۳۔وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ:** الْفَجْرِ یوم النحر ہے، الشَّفْعِ منیٰ کے قیام کے پہلے دو دن اور الْوَتْرِ تیسرا دن۔ یہ دن ذکر الٰہی اور دعا سے خاص ہیں۔ اِس کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ نماز ہے کہ اِس کی رکعات جفت بھی ہیں اور طاق بھی (حدیث امام احمد بن حنبلؒ اور امام ترمزیؒ)۔

وَاللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ ﴿٤﴾

هَلْ فِي ذَٰلِكَ قَسَمٌ لِذِي حِجْرٍ ﴿٥﴾ أَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ﴿٦﴾

۴۔اور رات جب وہ جانے لگے۔

۵۔اس میں عقلمندوں کے لئے یقیناً ایک بہت بڑی شہادت ہے۔

۶۔کیا تم نے غور نہیں کیا: تمہارے رب نے (قومِ) عاد کے ساتھ کیا کیا۔

**۸۹:۴۔وَاللَّيْلِ إِذَا يَسْرِ:** حدیث میں نہایت بابرکت رات بیان ہوئی ہے کی مصداق ہے۔اس کے علاوہ ان پانچ باتوں کی اور توجیہات بھی بیان ہوئی ہیں۔ ماحصل ان سب کا یہی ہے کہ ان سے امکنہ مراد ہوں یا ازمنہ دعا کے لیے یہ بڑے زبردست مواقع ہیں جنہوں نے دشمنوں کی بڑی بڑی قوموں کو ہلاک کر دیا۔وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ سے شب قدر بھی مراد ہو سکتی ہے کہ یہ ساری کی ساری رات بڑی بابرکت ہے اور قبولیت دعا کے ساتھ اسے خاص تعلق ہے۔ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ لَيَالٍ عَشْرٍ سے رمضان کی آخری دس راتیں مراد ہیں۔اور تبریزیؒ کا تو یہ خیال ہے کہ ان دس راتوں کے رمضان کی دس راتوں کے ہونے پر اتفاق ہے۔ ایام حج میں ذوالحجہ کی دس راتیں بھی مراد لی گئی ہیں۔الْفَجْرِ یوم النحر ہے الشَّفْعِ منیٰ کے

قیام کے پہلے دو دن اور الْوَتْرِ تیسرا دن۔ یہ راتیں ذکر الٰہی اور دعا سے خاص ہیں۔ اِس سورۃ میں لیال کا لفظ اِس لئیے اختیار کیا کہ رات کی عبادت اپنا خاص مقام رکھتی ہے۔ اور بہترین عبادت ہے۔

إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ﴿٧﴾

الَّتِي لَمْ يُخْلَقْ مِثْلُهَا فِي الْبِلَادِ ﴿٨﴾ وَثَمُودَ الَّذِينَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ ﴿٩﴾

۷۔ بلند عمارتوں والے (عاد) ارم کے ساتھ،

۸۔ جن کی مانند ان ملکوں میں کوئی (قوم) پیدا نہیں کی گئی تھی۔

۹۔ اور ثمودؑ (کی قوم) کے ساتھ جنہوں نے وادیوں میں (مکان بنانے کیلئے) چٹان تراشے۔

**۸۹:۷۔ إِرَمَ:** اس میں اہل مکہ کو سمجھایا ہے کہ تم اس مبارک اور محترم شہر میں ایسے عظیم الشان رسول کی مخالفت کر رہے ہو اس کا انجام یہ ہو گا کہ تم ہلاک کر دیئے جاؤ گے اور تمہارا وہی انجام ہو گا جو قوم ارم کا ہوا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہ کیسا عظیم الشان اعجاز ہے کہ آنحضرت ﷺ کے دشمنوں کا نام و نشان مٹا دیا گیا اور مکہ معظمہ میں ابد الآباد کے لیے آنحضرت ﷺ کا کوئی دشمن نہ رہنے دیا۔ مکی زندگی مسلمانوں کے لیے جن مصائب و مشکلات سے بھری ہوئی ہے وہ تاریخ اسلام کا ایک زہر شگاف باب ہے۔ پھر انہی ایام میں یہ پر شوکت پیشگوئیاں اور جلالی تحدّیاں کتنا بڑا معجزہ ہے۔ عاد اولیٰ کے دادا عوص کے باپ کا نام بھی ارم ہے اور ان کے شہر کو بھی جس میں ان کی سکونت تھی ارم کہتے ہیں۔ ارم اس نشانی کو بھی کہتے ہیں جو قدیم عرب کے لوگ پتھروں کو جمع کر کے بیابان میں نشان بناتے تھے۔ یہ لوگ سام بن نوح کی

اولاد سے تھے۔ ہود علیہ السلام ان کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ یہ قوم اپنے زمانے میں بڑی طاقت رکھتی تھی اور لسان العرب میں لکھا ہے کہ یہ طویل القد اور بلند عمارتوں والے تھے۔

وَفِرْعَوْنَ ذِي الْأَوْتَادِ ﴿۱۰﴾

الَّذِينَ طَغَوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۱﴾ فَأَكْثَرُوا فِيهَا الْفَسَادَ ﴿۱۲﴾

۱۰۔اور لشکروں والے فرعون کے ساتھ (کیسا سلوک کیا)۔

۱۱۔(یہ وہ لوگ تھے) جنہوں نے شہروں میں بڑی سرکشی کا ارتکاب کیا۔

۱۲۔اور ان میں بہت فساد پھیلایا۔

**۸۹:۱۰۔ذِي الْأَوْتَادِ:** کثرت لشکر اور ان کے خیموں اور خیموں کے لوازم کی وجہ سے یہ فرعون کی صفت بیان ہوئی ہے۔اور اس لیے بھی کہ سزائے چومیخہ اس کی عادت تھی۔

فَصَبَّ عَلَيْهِمْ رَبُّكَ سَوْطَ عَذَابٍ ﴿۱۳﴾

۱۳۔اس کے نتیجے میں تمہارے رب نے ان پر عذاب کا کوڑا برسایا۔

**۸۹:۱۳۔سَوْطَ:** ۱۔کوڑا؛ ۲۔ حصہ، یعنی ان پر عذاب کا ایک حصہ نازل ہوا۔ عرب میں سَوطَ عذاب ہر نوع کے عذاب کو کہتے ہیں (مفردات)۔ مجاہدؒ سے منقول ہے کہ سوطِ عذاب سے مراد ہے جس سے عذاب دیا گیا( صحیح بخاری)۔ خصوصاً اس کوڑے کو سوط کہتے ہیں جس سے خون بہنے لگے۔سوط اور ہے جلد اور۔ عربی زبان میں دو علیحدہ علیحدہ لفظ ہیں۔ ایک سوط کا لفظ اور دوسرا جلد کا۔ دونوں کے مفعول میں بڑا فرق ہے۔جلد تو وہ ہے جس کی مار کا اثر صرف اوپر جلد ہی پر رہے لیکن اردو زبان کی کوتاہ دامنی ہے کہ دونوں کا ترجمہ

کوڑے کے لفظ سے کیا جاتا ہے۔ اور اس فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے زنا اور قذف کی سزا میں جلد کی بجائے سوط کی سزا بعض بے علم لوگ دے دیتے ہیں۔

إِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ﴿١٤﴾
فَأَمَّا الْإِنسَانُ إِذَا مَا ابْتَلَاهُ رَبُّهُ فَأَكْرَمَهُ وَنَعَّمَهُ
فَيَقُولُ رَبِّي أَكْرَمَنِ ﴿١٥﴾
وَأَمَّا إِذَا مَا ابْتَلَاهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهُ فَيَقُولُ رَبِّي أَهَانَنِ ﴿١٦﴾

۱۴۔ اور تمہارا رب پناہ کی جگہ بھی ہے۔
۱۵۔ لیکن (ناقدردان) انسان (کا یہ حال ہے کہ) جب اس کا رب اسے آزمائش میں ڈالتا ہے کہ اسے عزت دیتا اور نعمت بخشتا ہے تو وہ کہتا ہے (میں اتنا معزز ہوں) کہ میرے رب نے بھی میری عزت کی۔
۱۶۔ اور جب اُسے (اس طرح) آزمائش میں ڈالتا ہے کہ اس پر اس کی روزی تنگ کر دیتا ہے تو وہ کہتا ہے: میرے رب نے (بلا وجہ) میری تذلیل کی۔

**۸۹:۱۴۔ لَبِالْمِرْصَادِ:** مرصاد: ۱۔ پناہ کی جگہ، ۲۔ شکار کے لیے گھات کی جگہ۔ اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہے، اسے گھات یا تاک اور نشانے کی ضرورت نہیں۔ بَلٰی مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ (البقرۃ،۸۱:۲)۔ اس کی تفصیل ہے۔ گناہوں کا حلقہ جب چاروں طرف سے پورا ہو جاتا ہے اور مربوب خدا کا تیر بھی کسی خاص وقت یا خاص جگہ سے نکل پڑتا ہے تو یہ نخچیر شکار ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ

انسان کو دونوں طرح آزماتا ہے۔ آرام وراحت کے سامان دے کر بھی اور تنگی و تکلیف کے ذریعہ بھی۔

كَلَّا ۖ بَل لَّا تُكْرِمُونَ الْيَتِيمَ ﴿۱۷﴾

۱۷۔ (دیکھو!) ایسا بے سبب ہر گز نہیں ہوتا بلکہ (اس پستی کی وجہ یہ ہے کہ) تم یتیم کی عزت نہیں کرتے تھے،

**۸۹:۱۷۔ الْيَتِيمَ:** اس جگہ اول اس سے نبی اکرم ﷺ کی طرف اشارہ ہے کہ تم نے اس درِّ یتیم کی قدر نہیں کی۔ پھر عام یتیم بھی مراد ہے۔ حدیث میں ہے کہ بہتر گھر وہ ہے جس میں یتیم کی عزت کی جائے اور بدتر گھر وہ ہے جس میں یتیم کو دکھ دیا جائے۔ اس جگہ بتایا ہے کہ کفار کی تباہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی ظلم کی وجہ سے نہیں ہوگی بلکہ ان میں یکے بعد دیگرے وہ تمام اسباب جمع ہو چکے ہیں جن سے قومیں تباہ ہوتی ہیں۔ اپنے محسن اور ہادی کی توہین، یتامیٰ کی تربیت اور تکریم کی طرف سے غفلت، غربا کی خبر گیری کی طرف سے لاپرواہی، دوسروں کے حقوق کا غصب، اسراف، مال کی محبت اور دولت کو فضیلت و کرامت کا موجب سمجھنا۔ یہ آیت اس طرف بھی توجہ دلاتی ہے کہ نہ صرف یتیموں کی پرورش کی جائے بلکہ یہ پرورش عزت و تکریم کے ساتھ ہونی چاہیے۔ کیا آج کل کے یتیم خانے جس میں بچوں کو رکھا جاتا ہے اور ان سے بھیک منگوائی جاتی ہے اور شرمناک لباس اور سکونت دی جاتی ہے اس قرآن تعلیم کی تعمیل کے مصداق قرار پا سکتے ہیں۔ ہر گز نہیں۔ اکرام یتیم بڑا اہم فریضہ ہے۔ اس سے قومیں ترقی کرتی ہیں۔

وَلَا تَحَاضُّونَ عَلَىٰ طَعَامِ الْمِسْكِينِ ﴿۱۸﴾

وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا ﴿۱۹﴾

وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا ﴿۲۰﴾ كَلَّا إِذَا دُكَّتِ الْأَرْضُ دَكًّا دَكًّا ﴿۲۱﴾

۱۸۔اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ایک دوسرے کو ترغیب نہیں دیتے تھے،

۱۹۔اور میراث سمیٹ سمیٹ کر کھا پی جاتے تھے،

۲۰۔اور مال کو بہت ہی عزیز رکھتے تھے۔

۲۱۔(جیسے تم سمجھتے ہو اس طرح) ہر گز نہیں ہوگا۔ جب زمین ٹکڑے ٹکڑے کر دی جائیگی۔

**۸۹:۱۸۔ تَحَاضُّونَ:** اس کے معنی کسی امر کی ترغیب دِلانا ہیں (مفردات)۔ دیکھو سورۃالماعون ۱۰۷:۳

وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفًّا صَفًّا ﴿۲۲﴾

۲۲۔تمہارا رب آئے گا، ملائکہ صف بستہ ہوں گے،

**۸۹:۲۲۔ جَاءَ رَبُّكَ:** اللہ اور فرشتوں کا آنا ایک خاص رنگ میں اِس دُنیا میں بھی ہوتا ہے۔ جَاءَ فعل ہے۔ افعال وصفات کا طریق کیا ہے۔ یہ ہے کہ فاعل اور موصوف کے لحاظ سے افعال وصفات کا رنگ اور حالت بدلتی رہتی ہے۔ غور کرو مثلاً بیٹھنا ایک فعل ہے۔ ایک انسان کا بیٹھنا ہے، ایک کسی جانور کا بیٹھنا۔ پھر کہا جاتا ہے یہ بڑا ساہوکار تھا مگر اب بیٹھ گیا ہے، یا کہا جاتا ہے کہ بادشاہِ وقت تخت پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس بیٹھنے میں بادشاہ سوتا ہو، جاگتا ہو، چلتا پھرتا ہو یا کھڑا ہو بہر حال بیٹھا ہے۔ اب اس سے بھی لطیف موصوف اور فاعل کا حال سنو۔ معترض تمہارے دل میں آریہ سماج کی محبت بیٹھ گئی ہے، تمہارے دل میں اسلام کا بغض بیٹھ گیا

ہے۔ کیا محبت کوئی جسمانی چیز ہے۔ اس طرح آنا اور حرکت کرنا ایک صفت اور فعل ہے اور اس کے معنی موصوف اور فاعل کے حسب حال کیے جائیں گے۔ عجیب بات ہے کہ خدا کے آنے کا اعتراض آریہ سماجی کرتے ہیں جبکہ ان کے گرو نے خود الٰہی حرکت کو مانا ہے (ستھیار تھ پرکاش، ص ۴)۔ بلکہ وہ تو ان کے ہاں چھلانگیں لگاتا اور پھلانگ کر آتا ہے (یجروید، ادھیا ۲۱، اشلوک ۱)۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا آنا اپنے مظاہر میں جلوہ گری ہے۔ وہ حلول اور اتحاد سے منزہ اور وراء الوراء ہے۔ وہ مظاہرہ قدرت میں اپنی قدرتوں، طاقتوں بلکہ ذات سے جیسے اس کی لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ ذات اور انوپیم کی شان ہے آتا ہے اور کہیں سے جاتا ہے۔

وَجِيءَ يَوْمَئِذٍ بِجَهَنَّمَ ۚ يَوْمَئِذٍ يَتَذَكَّرُ الْإِنْسَانُ وَأَنَّىٰ لَهُ الذِّكْرَىٰ ﴿۲۳﴾

۲۳۔اور اس دن جہنم (سامنے) لائی جائے گی۔ یہی دن ہوگا کہ وہ انسان نصیحت قبول کرے گا، مگر (اس وقت) اُسے نصیحت قبول کرنے سے کیا فائدہ ہوگا۔

**۸۹:۲۳۔ یَوْمَئِذٍ:** اللہ تعالیٰ کا عذاب رویت عذاب سے پہلے توبہ، استغفار اور صدقہ و خیرات سے ٹل جاتا ہے اور یہی سنت اللہ ہے لیکن جب عذاب کی رویت ہو جائے تو پھر یہ چیزیں بھی کام نہیں دیتیں، جیسے فرمایا: فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ (غافر، ۴۰:۸۵)۔

**جَهَنَّمَ:** یہ عربی زبان کا لفظ ہے۔ اِس کی بہت گہرائی کی وجہ سے اِسے جہنم کہا جاتا ہے (لسان العرب)۔ یہاں جہنم کے لانے کا ذکر ہے اور ایک حدیث میں بھی یہی ذکر ہے۔ یہ اِس لئیے کہا کہ جہنم ہر انسان اپنے ہاتھ سے پیدا کرتا ہے اور وہی جہنم قیامت میں اُس کے سامنے لائی جائے گی۔

يَقُولُ يَا لَيْتَنِي قَدَّمْتُ لِحَيَاتِي ﴿۲۴﴾

فَيَوْمَئِذٍ لَا يُعَذِّبُ عَذَابَهُ أَحَدٌ ﴿۲۵﴾ وَلَا يُوثِقُ وَثَاقَهُ أَحَدٌ ﴿۲۶﴾

۲۴۔ وہ کہے گا: اے کاش ! میں نے اپنی (اس اخروی) زندگی کیلئے کچھ آگے بھیجا ہوتا۔

۲۵۔ سو اس دن نہ کوئی (اِس مالکِ یوم الدین) کے عذاب کا سا عذاب دے سکے گا۔

۲۶۔ اور نہ کوئی اس کی گرفت کی سی گرفت کر سکے گا۔

**۸۹:۲۴۔ لِحَيَاتِي:** اس حیات سے بعد الممات کی جاودانی زندگی مراد ہے۔

يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ﴿۲۷﴾

ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً ﴿۲۸﴾

فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ﴿۲۹﴾ وَادْخُلِي جَنَّتِي ﴿۳۰﴾

۲۷۔ اے نفس مطمئنہ (۔ وہ وجود جسے اللہ کی طرف سے طمانیت بخشی گئی ہے)۔

۲۸۔ اپنے رب کی طرف لوٹ آ تو (اسے) پسند کرنے والا ہے اور (اس کا) پسندیدہ ہے۔

۲۹۔ اور (اللہ فرمائے گا) میرے بندوں میں جا مل۔

۳۰۔ اور میری (بنائی ہوئی) جنت میں داخل ہو جاؤ۔

**۸۹:۲۷۔ النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ:** یہ کامل اصلاح کی حالتِ روحانی ہے۔ ہر سورۃ کے ابتدا کو اس کے آخر سے لطیف مناسبت ہوتی ہے۔ اس سورۃ کی ابتدائی آیات میں دعا و عبادت کے اوقات مبارکہ کا ذکر تھا جس کے نتیجہ میں طمانینت قلب حاصل ہوتی ہے۔ پھر ابتدائی حصے میں عشرہ آخر رمضان اور ان کے شفع و وتر کا ذکر تھا جن میں اعتکاف کیا جاتا ہے۔ اور دلی دعا و عبادت سے طمانیت قلب حاصل کی جا سکتی ہے۔ 'دیکھو اللہ ہی کے ذکر سے دل اطمینان پایا کرتے ہیں' (الرعد، ۱۳:۲۸)۔ یہ کمالِ روحانی جو انبیاء کو ملتا ہے اِس اُمت کے اولیاء کو بھی ملتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کہ راہوں پر چلنے کا ثمر ہے۔